سلسلۂ مطبوعاتِ ادارۂ ادبیات اُردو شمارہ (۳۱)

شعبۂ تالیف و ترجمہ (۲)

ہندوستان کے مشہور لوگوں کے حالات

بچوں اور بچیوں کے لیے

سر سالار جنگ اعظم

از

مولوی ابوالمکارم فیض محمد صاحب بی اے۔ ڈپ ایڈ

مصنف ابن سعود، مصلحان تعلیم وغیرہ

سنہ ۱۹۳۹ء

مکتبہ ابراھیمیہ مشین پریس میں طبع ہوکر

دفتر ادارۂ ادبیات اُردو۔ رفعت منزل۔ خیریت آباد سے شائع ہوئی

قیمت ۶ ؍

بچوں اور بچیوں کے لیے ادارہ کی دوسری کتابیں

نظام الملک آصف جاہ اول

سلطنت آصفیہ کے قابل احترام بانی کے حالاتِ زندگی جن کو مولوی شیخ چاند مرحوم ایم، اے۔ ایل ایل بی ریسرچ اسکالر نے نہایت دلچسپ پیرایے میں اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ۴۰ صفحات۔ مع تصویر آصف جاہ۔ قیمت ۴ر

سر سید احمد خاں

علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے بانی اور مسلمانوں کے مشہور خیر خواہ اور مدبر جوادالدولہ عارف جنگ آنریبل سر سید احمد خاں بہادر کے مختصر سے حالاتِ زندگی جو بچوں اور عوام کے لیے نہایت دلچسپ پیرایے اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔ کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت پاکیزہ۔ مع تصویر قیمت صرف ۲ر

من کی بپتا

اس دیدہ زیب کتاب میں محترمہ لطیف النساء بیگم صاحبہ ایم، اے نے بچیوں اور طالبات کے لیے ایسی مفید اور کار آمد باتیں پیش کردی ہیں جن کا مطالعہ ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ چند عنوان یہ ہیں:۔
گھر، سواری، ہمارے نوکر، خورونوش، لباس، بچوں کی تعلیم اور ان کی ضرورتیں، اخبار، کتابیں اور رسالے، نذر نیاز، چندے، مختلف رسومات، علاج، معالجہ، متعلقین، سیر و تفریح، سنیما، فیشن، وغیرہ، صفحات ۸۰۔ مجلد۔ قیمت ۸ر

فہرست مضامین

دیباچۂ عمومی

از

ڈاکٹر سید محی الدین صاحب قادری زورؔ ایم اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی (لندن)
پروفیسر ادبیات اردو ۔ جامعۂ عثمانیہ

دیباچہ عمومی

نواب مختار الملک شجاع الدولہ میر تراب علی خاں سر سالار جنگ اعظم دنیا کے اُن مدبرین و مفکرین میں سے ہیں جو کسی ملک و قوم میں بار بار نہیں پیدا ہوتے اور جب کبھی بخت و اتفاق سے پیدا ہو جاتے ہیں تو اپنے ملک یا قوم کو جہالت و ادبار اور تنزل و گمنامی سے نکال کر ہمہ جہتی ترقیوں اور شہرت و عظمت کے بامِ عروج تک پہنچا دیتے ہیں۔

حیدر آباد کی سر زمین نے بہت کم ایسے سپوت پیدا کیے اور یہ اس ملک کی خوش قسمتی تھی کہ ایک نہایت ہی نازک دور میں اس کو مختار الملک جیسا محبِ وطن، مدبر، مصلحِ اعظم مل گیا۔ مختار الملک کے کارنامے اس سلطنتِ ابد مدت کی تاریخ میں ہمیشہ زرین حروف میں لکھے جائینگے، اور جیسے جیسے زمانہ گذرتا جائیگا، حیدر آبادیوں کے دلوں میں اپنے اس رفیع الشان ہم وطن کے احسانات کی یاد تازہ ہوتی جائے گی۔

ایسی ہی عظیم المرتبت شخصیتوں کے حالاتِ زندگی پڑھنے سے گرتی ہوئی

قومیں سنبھل جاتی ہیں اور سوتے ہوئے ملک جاگ پڑتے ہیں۔ اسی خیال کو پیشِ نظر رکھ کر ادارۂ ادبیات اُردو کے شعبۂ تالیف و ترجمہ نے بچوں، بچیوں اور عوام کے لیے یہ چھوٹی سی کتاب مرتب کرائی ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا مطالعہ پڑھنے والوں کے دلوں میں ملک کی محبت، کام کرنے کا ولولہ، بردباری، مستقل مزاجی، مخالفتوں اور دشواریوں کے باوجود آگے بڑھتے چلے جانے کی ہمت پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔

اِس کتاب "سرسالار جنگ اعظم" کے مرتب مولوی ابوالمکارم فیض محمد صاحب بی، اے۔ ڈپ ایڈ ہیں جن کو سوانح نگاری میں خاص کمال حاصل ہے۔ چنانچہ مشہور مصلحانِ تعلیم کی سوانح عمریوں کے علاوہ اُن کی لکھی ہوئی حیات "ابن سعود" بھی شایع ہوکر کافی مقبولیت حاصل کرچکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد کے اِس محسنِ اعظم کے حالات کو مختصر سے مختصر طور پر قلم بند کرنے کے لیے ادارہ نے انہی کا انتخاب کیا۔ زیادہ سے زیادہ معلومات کو کم سے کم الفاظ میں پیش کرنا ایک کمال ہے اور ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے۔

ادارۂ ادبیات اُردو کے شعبۂ تالیف و ترجمہ نے اُردو ترجموں کے سلسلے میں مفید کتابوں اور مضمونوں کی تیاری و اشاعت کے علاوہ

یہ بڑا اچھا کام شروع کیا ہے کہ اُس کی طرف سے دوسری زبان کی کتابوں سے اخذ کر کے یا اپنے طور پر ایسی چھوٹی چھوٹی کتابیں اُردو میں پیش کی جارہی ہیں جو بچوں، بچیوں اور عوام کے ادب میں اضافہ کا باعث ہوں گی۔ اس قسم کی چھوٹی چھوٹی اچھی کتابوں کی اُردو میں جو کمی ہے وہ توقع ہے کہ ایسی ہی کوششوں سے دُور ہو سکے گی۔

اپنے ملک کے مشہور لوگوں کے حالات معلوم کر کے بچوں میں خود اعتمادی اور ترقی کی امنگیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس شعبہ نے سب سے پہلے اسی سلسلے کا کام شروع کیا اور تین کتابیں (سر سید احمد خاں، مختار الملک اور عماد الملک پر) تیار کر لیں۔ پہلی کتاب خود معتمد شعبہ مولوی ظہیر الدین احمد صاحب ایم۔اے، ایچ۔سی۔ایس کی اُس پُرخلوص سرگرمی، علمی ذوق اور عملی دلچسپی کا نتیجہ ہے جو اس شعبہ کو کامیاب بنانے کی تمام تر ذمہ دار ہے۔ دوسری کتاب یہی ہے جو اس وقت زیر نظر ہے۔

ادارۂ ادبیات اُردو کے اس شعبہ نے اب تک بہت کچھ کام کیا ہے اور اس کی طرف سے ایک اور کتاب (مغربی تصانیف اُردو زبان میں) بھی چھپ رہی ہے جس میں ان تمام اجتماعی اور انفرادی کوششوں پر تحقیقی تبصرہ کیا

گیا ہے جو مغربی ادب اور علوم و فنون کو اُردو میں منتقل کرنے کے سلسلے میں گزشتہ سوا سو سال سے کی جارہی ہیں۔

اس دلچسپ تحقیقی و تاریخی مقالہ کی طباعت کے علاوہ اس شعبہ نے دو انگریزی کتابوں

1. The Meaning of Life
2. Theories and Forms of Political Organisations.

کے ترجمے بھی تیار کرلیے ہیں جو عنقریب شایع ہو جائیں گے۔

اس اہم اور مفید کام کے لیے یہ شعبہ، اس کے اراکین اور معتمد خاص طور پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء

سیّد محی الدین قادری زور
معتمد عمومی ادارۂ ادبیات اُردو

سر سالار جنگ اعظم

ایک رہنما، ایک مدبر اور ایک محبِ وطن کی حیثیت سے سالار جنگ اعظم کا نام دکن اور برطانوی حکومتِ ہند کے آسمان پر قطب تارے کی طرح روشن نظر آتا ہے یہ وہ عظیم المرتبت ہستی ہے جس نے اس وقت جب کہ برطانوی حکومت کے قدم ہندوستان میں لڑکھڑا رہے تھے اور جب دکن کی سرزمین ہر جہتی ترقیوں کے لیے آمادہ تھی، ایک وفادار اور صاحبِ احساس انسان کی طرح، اپنی باریک بینی اور دور اندیشی سے کام لے کر ایک طرف حکومتِ ہند کو گرداب سے بچایا اور دوسری طرف دکن کو موقتی سیاسی الجھاوے سے الگ تھلگ رکھ کر ایسے دستور کی بنیاد ڈالی جو مستحکم اور مضبوط تھا۔ اس ستارے کو صوری حیثیت سے ڈھلے ہوئے آج کوئی پچاس سال کا عرصہ ہوتا ہے لیکن ابھی اس کی شہرت اور اس کے کارنامے اسی اوج پر ہیں اور رہیں گے۔ ناقدین نے جب اس ہستی کی زندگی کو خورد بینی نگاہ سے پرکھا تو ان کی آنکھوں نے دیکھا کہ سالار جنگ اعظم

اپنے ملک اور مالک کے سچے بہی خواہ رہے، ان کی مالیاتی قابلیت ہندوستان میں ضرب المثل تھی، نظم و نسق کو سنوارنے میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی، وفاداری کا خون ان کی رگوں میں موج زن تھا، ان کے ارادے مستقل اور نگاہ دور رس تھی۔ انھوں نے چند ہی سال کے اندر حیدر آباد کو ہندوستان کی ایک باوقار اور قابلِ تقلید سلطنت بنا دیا اور ترقی کے ایسے بیج بوئے جس کے درخت اب تک بار آور ہو رہے ہیں۔ اس محبِ ملک کی سوانح حیات صحیح معنوں میں انفرادی جدوجہد، سنجیدہ کارناموں اور بے لوث وفاداری کی زندہ تاریخ ہے۔

خاندان

سالار جنگ کے خاندان کا تعلق مدینۂ منورہ کے ایک ممتاز اور قابلِ احترام بزرگ حضرت شیخ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ شیخ اویس قرنی ثانی اس خاندان کے پہلے فرد ہیں جو ہندوستان تشریف لائے۔ سلطان علی عادل شاہ کے دربار میں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد علی کی بھی دربارِ بیجاپور نے بڑی قدر و منزلت کی۔ شیخ محمد علی کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام شیخ محمد باقر اور دوسرے کا شیخ محمد حیدر تھا۔ دونوں بھائی سکندر عادل شاہ کے زمانے تک دربارِ بیجاپور میں بڑی عزت اور آرام سے رہے لیکن وزیرِ سلطنت کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر ان بھائیوں نے مغلیہ سلطنت میں اپنی خدمات پیش کیں۔ دونوں بھائیوں کو اعلیٰ عہدوں پر مامور کرلیا گیا اور شیخ محمد باقر کو کشمیر اور شاہ جہاں آباد کی دیوانی سے سرفراز کیا گیا۔ مغلیہ دربار کے امراء ان سے بے حد محبت کرتے

تھے۔ کچھ دن بعد محمد باقر نے دکن میں تبادلے کی درخواست کی تو انھیں تال کوکن کی دیوانی دی گئی۔ یہاں انھوں نے کچھ دنوں کام کیا اور جب عمر زیادہ ہوگئی تو وظیفہ لے کر اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی۔

شیخ محمد تقی، شیخ محمد باقر کے صاحبزادے تھے۔ یہ اس خاندان کے پہلے رکن ہیں جنھیں آصف جاہی خاندان نے سرفراز کیا۔ حضرت نظام الملک آصف جاہ نے انھیں اپنے زمانۂ وزارت میں دکن کے قلعوں کی فوج کا افسرِ اعلیٰ بنا دیا تھا۔ ان کے صاحبزادے شمس الدین محمد حیدر تھے جن کو حضرت نظام الملک، بہت عزیز رکھتے تھے، اسی لیے انھیں بہت سے اعزاز عطا کیے گئے چنانچہ صلابت جنگ آصف جاہ ثانی کے زمانے میں شمس الدین کو سات ہزار پیادہ اور سات ہزار سواروں کے ساتھ ساتھ حیدر یار خاں شمشیر جنگ منیر الدولہ منیر الملک کے خطابات بھی عطا ہوئے اور وہ امورِ اعلیٰ کے منتظم خانگی مقرر کیے گئے۔ اس کے کچھ دن بعد انھیں دکن کے صوبوں کا دیوان بنایا گیا۔ اور ۱۱۷۲ھ میں خدمتِ وزارت پر سرفراز ہوئے اور عرصہ تک مدار المہامی کی خدمت انجام دیتے رہے۔

نواب منیر الملک کے دو لڑکے تھے۔ ایک محمد صفدر خاں غیور جنگ اور دوسرے تقی یار خاں ذوالفقار جنگ۔ والد کے انتقال کے

سات سال بعد چھوٹے لڑکے کا انتقال ہوگیا۔ بڑے فرزند صفدر خاں نے ترقی کرتے کرتے تین ہزار پیادوں اور دو ہزار سواروں کی افسری کے ساتھ ساتھ غیور جنگ شجیع الملک کا خطاب پایا اور دکن کے صوبوں کی دیوانی سے سرفراز ہوئے۔

شجیع الملک کے چار لڑکے تھے۔ تیسرے لڑکے منیر الملک ثانی تھے۔ انھوں نے میر عالم کی دختر نیک اختر سے شادی کی، میر عالم کے انتقال پر منیر الملک ثانی کو قلمدانِ وزارت عطا ہوا اور انھوں نے ۲۳ سال اس عہدۂ جلیلہ کو بحسن و خوبی انجام دیا۔

منیر الملک ثانی کے دو لڑکے تھے۔ ایک محمد علی خاں سالار جنگ شجاع الدولہ اور دوسرے سراج الملک۔ سراج الملک نے ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۳ء تک دیوانی کے فرائض انجام دیے اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو محمد علی خاں شجاع الدولہ کے صاحبزادے نواب میر تراب علی خاں سالار جنگ چوبیس سال کی عمر میں اس عہدہ پر فائز ہوئے۔

ابتدائی زندگی

ہزاکسلنسی نواب میر تراب علی خاں، سالار جنگ، شجاع الدولہ مختار الملک جی سی، ایس، آئی۔ ڈی، سی، ایل ۲ ماہ جنوری ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ ابھی یہ بچے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور چوتھے سال میں قدم رکھا تھا کہ مہربان دادا بھی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ نواب منیر الملک ثانی کو اپنے پوتے سے بہت محبت تھی۔ یہ بات مشہور ہے کہ سالار جنگ ایک دفعہ میعادی بخار میں بُری طرح مبتلا ہو گئے تھے، کئی دنوں تک ان کی حالت بڑی نازک رہی اور جب ہر طرح سے زندگی کی توقع اٹھ گئی اور دادا نے بارگاہِ رب العزت میں دعا کی کہ "خداوندا تو اس بچے کی جان بخش دے اور اس کے بدلے میں مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔" کہتے ہیں ان کی دعا قبول ہو گئی، سالار جنگ اچھے ہو گئے اور منیر الملک ثانی بیمار پڑے اور چند دنوں بعد، اس دنیا سے چل بسے۔

تعلیم | مختار الملک کی صحت بچپن میں اس درجہ خراب ہو گئی تھی کہ ان کی

کوئی باقاعدہ تعلیم نہ ہوسکی۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے خاندانی جھگڑے بھی پیدا ہوگئے تھے کہ تیرہ سال کی عمر تک ان کی تعلیم پر کوئی خاص توجہ نہ کی جاسکی بات یہ تھی کہ نواب منیرالملک کی کئی جاگیریں ان کے قرضے میں ضبط تھیں اور بہت تھوڑا حصّہ بحال تھا۔ اس کے باوجود نواب سراج الملک نے ان سب قصّوں کو بالائے طاق رکھ کر، ایک فرض شناس اور محبت بھرے دل والے انسان کی طرح سالار جنگ کی تربیت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ سات سال تک انھوں نے ایک مولوی صاحب کے یہاں فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ اس زمانے میں انگریزی کا رواج نہ تھا، اس لیے اُن کو بہت بعد یعنی ۱۹ سال کی عمر میں انگریزی سیکھنے کا شوق ہوا۔ وہ روز آنہ کوئی آدھے گھنٹے تک ایک انگریز استاد سے انگریزی پڑھتے تھے۔ رفتہ رفتہ انھیں انگریزی سے خاصہ لگاؤ ہوتا گیا۔

پڑھنے لکھنے کے علاوہ سالار جنگ کو سواری کا بھی خاص شوق تھا۔ وہ گھوڑے کی سواری کے بڑے ہی شوقین تھے۔ بچپن سے حساب کتاب کے معاملات سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ دادی کی تربیت نے انھیں اس میں اور بھی مشتاق بنادیا۔ جب جاگیرات سے حسابات آتے تو دادی ان کی جانچ پڑتال انہیں سے

کروائیں اور پھر انھیں سے حساب کتاب سمجھتی تھیں۔ اس ابتدائی تربیت نے سالار جنگ کی مالیاتی قابلیت کو اُجاگر کر دیا جو بعد میں چل کر ان کے کارناموں کا طرۂ امتیاز بنی۔

۱۸۴۷ء میں سالار جنگ کو علاقہ تلنگانہ کے ایک ضلع میں تعلقہ داری کا کام سیکھنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس وقت تک یہ کام مسٹر ڈیٹن کے تفویض تھا۔ مسٹر ڈیٹن اس ضلع میں مالگزاری کے چند جدید اصولوں کو رائج کر رہے تھے اور اس کے تھوڑے بہت ابتدائی مراحل بھی طے کر چکے تھے۔ جب سالار جنگ ان کی جگہ آئے تو ان کی دور رس نگاہیں فوراً ان اصولوں کی تہہ تک پہنچ گئیں اور آٹھ مہینے تک وہ عمدگی سے کام کرتے رہے۔ اس کے بعد حضرت ناصر الدولہ بہادر نے سراج الملک کی جاگیرات بحال کر دیں تو سارا کام سالار جنگ ہی کے تفویض کر دیا گیا۔ یہاں ان کو ایک بڑی حد تک خود مختاری حاصل تھی اس لیے نہایت ہوشیاری کے ساتھ جاگیرات کی اصلاح کی طرف قدم بڑھایا اور اسی کے ساتھ ساتھ مالگزاری میں اضافہ کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں انھیں مال کے کام کا کافی تجربہ حاصل ہوا۔

دیوانی

۲۶ اپریل ۱۸۵۳ء کو نواب سراج الملک نے انتقال کیا۔ اور ۳۱ مئی ۱۸۵۳ء کو دربارِ عام میں سالار جنگ کو قلمدانِ وزارت عطا کیا گیا۔ اس واقعہ کو خود انھوں نے اپنے ایک خط میں تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

"بغیر میری یا دادی صاحبہ کی درخواست کے حضورِ پُرنور نے پرسوں (۳۱ مئی) دربارِ عام میں بمراحم خسروانہ مجھے قلمدانِ وزارت عطا فرمایا۔ جی تو یہی چاہتا تھا کہ چچا مرحوم کی جاگیرات کی دیکھ بھال پر قانع رہوں اور اُن ٹکروں اور جھنجھٹوں سے الگ رہوں جو اس عہدے کے ساتھ وابستہ ہیں خصوصاً یہاں کے موجودہ ناسامد حالات کے تحت لیکن میں اپنے ہندوستانی اور یوروپی دوستوں کی صلاح کے سامنے عاجز آگیا کہ اگر میں نے اس عہدے سے

انکار کیا تو میں اور میرا خاندان دونوں بالکل تباہ ہو جائیں گے۔
پس اگر خدا ساتھ دے تو میں جس قدر ہو سکے کوشش کروں گا کہ ملک کے
نظم و نسق کو سلجھاؤں اور اُسے اس جنجال سے نکالوں جس میں وہ پھنسا ہوا ہے"
فی الواقع اس وقت حیدر آباد میں ایسے کاہل اور خود غرض لوگ جمع ہو گئے تھے
کہ انھیں ملک کی ترقی کا ذرہ برابر بھی احساس نہ تھا۔ ہر حیثیت سے ریاست کی حالت
بیٹھتی جا رہی تھی۔ یہ سالار جنگ کی آزمایش کا وقت تھا کہ اسے سنبھالیں۔ انھوں
نے فوراً ہی اصلاحات کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا اور غدر کے زمانے تک
ریاست کے مختلف شعبوں میں بہت کچھ اصلاح کر لی۔ یہ حال دیکھ کر ان لوگوں کے
چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں جو سالار جنگ کو ایک ناتجربہ کار بچہ سمجھ کر اپنی
انگلیوں پر نچانا چاہتے تھے۔ انھوں نے ابتدا ہی میں ان کے دانت کھٹے کر دیے
اور انھیں آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی، پھر بھی حضور پُر نور کی خدمت میں بے شمار
شکایات کے دفتر کھولے گئے اور انتہائی کوشش کی گئی کہ کسی طرح انھیں معزول
کر دیا جائے لیکن حضور پُر نور کو چند ہی دنوں میں ان کی اعلیٰ قابلیت، فراست اور
سب سے بڑھ کر ان کی دیانت کا اس درجہ علم ہو گیا تھا کہ مخالفین کا کوئی داؤں
چل نہ سکا۔

غدر ۱۸۵۷ء

سالار جنگ کو ابھی دیوان ہوئے، صرف چار سال کا عرصہ گذرا تھا کہ ہندوستان کی سیاسی فضا یک دم مکدر ہوگئی۔ مئی ۱۸۵۷ء میں دلی میں سپاہیوں نے غدر کر دیا۔ اس وقت ہندوستان میں لے دے کے حیدرآباد ہی ایک بڑی اسلامی ریاست رہ گئی تھی۔ جنوبی ہند کے تمام مسلمانوں کی نگاہیں اسی طرف لگی ہوئی تھیں اور جوں جوں بغاوت کے شعلے شمالی ہند میں بھڑکتے تھے، حیدرآباد میں لوگ پناہ کے لیے جمع ہوتے جاتے تھے خود حیدرآباد اس وقت اپنی خانگی مشکلات میں مبتلا تھا، تاہم انھیں پناہ دینے کی ممکنہ کوشش کی گئی۔ اسی اثنا میں شمالی ہند سے اطلاعیں آئیں کہ انگریز دلی میں طرح طرح کے ستم ڈھا رہے ہیں، یہ سن کر مسلمانوں کے جذبات بے اختیار بھڑک اُٹھے اور برطانوی حکومت ہند کی کھلی مخالفت کی جانے لگی۔ گھر گھر اسی کے چرچے تھے اور گلی کوچوں اور سڑکوں پر تک انگریزوں کے خلاف منصوبے

گھڑے جا رہے تھے۔ بدقسمتی سے عین اسی زمانے میں حضرت نواب ناصر الدولہ بہادر نے رحلت فرمائی تو اور بھی پریشانیاں سر پر سوار ہو گئیں۔ نوجوان سالار جنگ کے لیے یقیناً یہ بڑا صبر آزما زمانہ تھا۔ وہ عجیب مخمصے میں تھے۔ ایک طرف تو وہ سیاسی اصولوں کی بناء پر قطعاً اس شورش و بغاوت میں حیدر آباد کو الجھا کر، انگریزوں سے اپنے تعلقات خراب نہ کرنا چاہتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے آوازے ان کو پریشان کر رہے تھے لیکن اصول اور سیاست کے آگے انھوں نے کسی کی پروا نہ کی عوام کے مطالبات جذباتی تھے اور ان کے عمل کی بنیاد سیاسی تھی۔ اس لیے انتہائی شورش اور مخالفت کے باوجود سالار جنگ نے غدر کی چنگاریوں کو حیدر آباد کی فضاء میں بھڑکنے نہ دیا۔

نواب افضل الدولہ کی مسند نشینی کے بعد جب رزیڈنٹ بہادر مسند نشینی کی رسم ادا کر کے رزیڈنسی واپس ہوئے تو گورنر جنرل کا تار ملا کہ دلی میں باغی سپاہیوں نے شکست دے دی۔ رزیڈنٹ نے فوراً اس کی اطلاع سالار جنگ کو دی جس پر انھوں نے جواب بھیجا کہ یہ خبر آج کوئی تین دن سے شہر میں گشت لگا رہی ہے۔ انگریزوں کے لیے یہ بڑا نزع کا عالم تھا۔

برطانوی راج کا عروج یا زوال۔ اگر اس موقع پر سالار جنگ ذرا بھی بے پروائی کرتے تو انگریز اور سارا ہندوستان زبردست پریشانیوں کا شکار ہوجاتا لیکن سالار جنگ نے بڑی ہوشیاری سے عوام کے بڑھتے ہوئے جذبات کو روکنے کی کوشش کی۔ پہلے تو انھیں سمجھایا، بجھایا اور موقع کی نزاکت سے واقف کرایا لیکن بعض صورتوں میں جب اس سے کام نہ چلا تو سختی بھی کی۔ اس معاملے میں حیدرآباد کے وفادار عربوں نے سالار جنگ کو حیدرآباد میں ضبط قائم کرنے میں بڑی مدد دی۔ ایک انگریز فوجی افسر لکھتا ہے:۔

"ان پُرزور کارروائیوں نے جنوبی ہند کو بچالیا کیونکہ اگر حیدرآباد ہمارے خلاف ہوجاتا تو مدراس کے مسلمان، جیساکہ رزیڈنسی میں یہ بات مشہور تھی، ان کے قدم بہ قدم چلتے۔"

یہ موقع اتنا نازک تھا کہ بمبئی کے گورنر نے حیدرآباد کے رزیڈنٹ کو تار بھیجا کہ "اگر نظام ہاتھ سے گئے تو سب کچھ گیا" اس فقرے میں کتنی حسرت ہے! کرنل برگس کو بھی اس حقیقت سے لفظ بہ لفظ اتفاق ہے کہ اگر اس موقع پر سلطنتِ آصفیہ، انگریزوں کے ساتھ وفاداری اور دوستی کا عملی ثبوت نہ دیتی تو سارے جنوبی ہند میں مخالفت کی وبا پھیل جاتی۔ لیکن سالار جنگ کی دانائی اور

فراست نے جنوبی ہند کی فضا کو خراب ہونے نہ دیا۔

اسی زمانے میں بعض پر جوش مسلمانوں نے پانچ سو روہیلوں کے ساتھ رزیڈنسی پر حملہ کر دیا۔ رزیڈنسی اس زمانے میں غیر محفوظ تھی۔ لیکن سالار جنگ کو ان کارروائیوں کی اطلاع تھی، اس لیے انھوں نے کرنل ڈیوڈسن کو، جو اس وقت رزیڈنٹ تھے۔ خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ سکندر آباد سے فوج طلب کر لی گئی تھی۔ جب رزیڈنسی پر حملہ ہوا تو فوج نے باغیوں پر گولی چلانی شروع کی۔ عرب بھی اس وقت انگریزی فوج کے ساتھ تھے۔ تھوڑی دیر میں باغیوں کا ایک لیڈر گولی کا نشانہ بن گیا۔ لوگ بھاگنے لگے اور مجمع منتشر ہو گیا۔ سالار جنگ نے باغیوں کو گرفتار کر کے بعضوں کو قید کیا اور بعضوں کو شہر بدر کر دیا اور سخت سزائیں دیں۔

اس واقعہ پر بعض لوگوں نے کرنل ڈیوڈسن پر سخت اعتراض کیا اور یہ کہا کہ خطرناک حالت میں رزیڈنٹ کو ہٹ جانا چاہیے تھا۔ اس کا جواب کرنل ڈیوڈسن نے یہ دیا کہ "میں نے حیدر آباد میں اپنی ہڈیاں دفن کرنے کی ٹھان لی ہے"۔ دوسری بات اس نے یہ بتلائی کہ اگر اس حالت میں وہ رزیڈنسی چھوڑ دیتے تو بیچارے سالار جنگ یکہ و تنہا رہ جاتے اور ان کی

ساری ہمدردیاں ملیامیٹ ہوجاتیں۔

سالار جنگ کی یہ خدمات بہت ہی مستحسن نظروں سے دیکھی گئیں۔ سر رچرڈ ٹمپل نے انھیں "لاقیمت" کہا ہے۔ گورنر جنرل اِن کونسل نے یوں اعتراف کیا ہے کہ "جس قابلیت، ہمت اور مستقل مزاجی سے انھوں (سالار جنگ) نے نظام اور برطانوی حکومت کی خدمات انجام دی ہیں، حکومتِ ہند ان کی تہہ دل سے مشکور ہے۔" اسی دوستانہ امداد کے سلسلے میں برطانوی حکومت نے ۱۸۶۰ء میں سرکار نظام کے پاس ایک لاکھ روپے کے تحائف بھیجے اور سالار جنگ کو تیس ہزار روپیے کا تحفہ عطا کیا۔ ساتھ ہی اس کے ضلع رائچور اور دھاراسیو واپس مل گئے اور شوراپور کا علاقہ بھی حیدرآباد کے نقشے میں داخل ہوگیا۔



مخالفتیں

غدر کے زمانے میں سالار جنگ نے جو عقلمندانہ روش اختیار کی تھی اسے جاہل لوگ سمجھ نہ سکے اور خواہ مخواہ انھیں بدنام کرنا شروع کردیا اور عوام کو ان کے خلاف اتنا اکسایا کہ ایک دن جب کہ وہ دربار سے نکل کر رزیڈنٹ کے ساتھ واپس ہو رہے تھے، ایک روہیلے نے ان پر گولی چلائی اور ہم رکاب جوانوں میں سے ایک اُن کا نشانہ بن گیا۔ جب اصل نشانہ خطا ہوا تو اس ناعاقبت اندیش روہیلے نے تلوار نیام سے کھینچی اور سالار جنگ کی طرف لپکا۔ اتنے میں سپاہیوں نے فوراً اسے آگھیرا اور اسے اپنے کیے کی سزا دے دی۔

یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ ریاست میں اصلاحات کرنا چاہتے تھے۔ جب انھوں نے قدیم رسم ورواج اور بدنظمیوں کو دور کرنا شروع کیا تو وہ لوگ جو عرصے سے جونک کی طرح ریاست کا خون چوس رہے تھے، اپنے ذاتی اغراض کے ماتحت سالار جنگ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے اور کسی طرح

انھیں معزول کرنے کی فکر میں لگے رہے۔ اس کے لیے ایک چال چلی گئی حضور پُرنور نواب افضل الدولہ بہادر کو یہ باور کرایا کہ رزیڈنٹ سالار جنگ سے ناراض ہیں اور انھیں خدمت سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں، جس پر آپ نے رزیڈنٹ سے فرمایا کہ اگر تمھاری یہی مرضی ہے تو مجھے اختلاف نہیں۔ رزیڈنٹ سمجھ دار آدمی تھا، فوراً سمجھ گیا کہ یہ ساری کارستانی سالار جنگ کے دشمنوں کی ہے۔ اس نے فوراً حضور پُرنور کی خدمت میں حاضر ہو کر حقیقی باتوں کا انکشاف کر دیا اور ساتھ ہی دوسرے بہی خواہانِ سلطنت نے بھی سالار جنگ کی حمایت کی۔ بات یہ تھی کہ خود نواب افضل الدولہ بہادر سالار جنگ کو بہت چاہتے تھے لیکن بعض مقربین کی مسلسل غلط بیانیوں سے آپ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے مگر جب حقیقی باتوں کا علم ہو گیا تو آپ نے عید کے دربار میں انھیں بیش قیمت جواہرات سے سرفراز فرمایا۔

۱۸۶۶ء میں ملکۂ وکٹوریہ کی طرف سے سالار جنگ کو ان کی اعلیٰ خدمات کے صلے میں "سر" کا خطاب عطا ہوا۔ اس کے کوئی ایک سال بعد انگریزوں نے منتقلیٔ ملازمین کا مسئلہ اٹھایا۔ یہ ایک اصولی بات تھی لیکن مخالفین نے اسے انگریزوں کی بیجا مداخلت سے تعبیر کیا۔ اور ساتھ ہی بعض دشمنوں نے

پھر سے سرکار میں عرض کیا کہ یہ ساری آگ سالار جنگ کی لگائی ہوئی ہے۔ سرکار انگریزی کی طرف سے سرکا خطاب ملنا اور پھر ایک اس طرح کی عجیب اور غیر معمولی کارروائی کا چھڑ جانا' ایسے واقعات تھے کہ مخالفین کی سازش کامیاب ہوئی حضور پُر نور بہت ناراض ہوئے اور جب سالار جنگ کو اس کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی متاثر ہوئے' لیکن رزیڈنٹ سر جارج یول نے بہت عمدگی سے اس معاملہ کو سلجھا دیا اور بتلایا کہ سالار جنگ ایک سچے اور وفادار انسان ہیں۔

سازشی حملے اسی پر ختم نہیں ہوئے۔ ۱۸۶۸ء میں عید کے دربار سے جب لوٹ رہے تھے تو ان پر دو گولیاں چلائی گئیں۔ ایک گولی سالار جنگ کی دستار کو چاٹتی ہوئی نکل گئی اور دوسری نے ایک مصاحب کو زخمی کر دیا۔ اس حادثہ سے وہ بال بال بچ گئے۔ حضور پُر نور کو بھی اس سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور آپ نے از راہِ مراحم خسروانہ سالار جنگ کو مبارک باد دی۔

بہر حال عرصے تک سالار جنگ کے خلاف ان مخالفتوں اور سازشوں کی گرم بازاری رہی لیکن ان سے سالار جنگ کے مستقل ارادوں اور اصلاحی خیالات میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا اور وہ ایک مینار کی طرح مخالفتوں کے تھپیڑوں میں استحکام کے ساتھ کھڑے رہے اور اپنے تدبر اور دیانت کی روشنی سے ریاست حیدر آباد کو بقعۂ نور بنانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

یورپ کا سفر

۱۸۷۵ء میں پرنس آف ویلز (شاہ اڈورڈ ہفتم) ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان کے ہمراہ ڈیوک آف سدرلینڈ بھی تھے۔ یہ حیدر آباد میں سر سالار جنگ کے مہمان بن کر آئے تھے۔ اپنے قیام کے زمانے میں وہ سالار جنگ کے تدبر، فراست اور شخصی برتاؤ سے بہت متاثر ہوئے اور انھیں انگلستان آنے کی دعوت دی۔ سر سالار جنگ نے دعوت قبول کر لی اور دوسرے ہی سال سفر کا ارادہ کیا۔

۸ مئی ۱۸۷۶ء کو ان کا جہاز ساحل بمبئی سے روانہ ہوا اور ایک مہینے کی طویل مسافت کے بعد رومہ پہنچا۔ رومہ میں سر سالار جنگ نے شاہ وکٹر ایمانیول سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ اس کے تین ہی دن بعد پاپائے اعظم نے انھیں یاد فرمایا اور دورانِ ملاقات میں ان ہمدردیوں کا شکریہ ادا کیا، جو ریاست حیدر آباد میں رومن کیتھولک فرقے کے عیسائیوں

کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد سالار جنگ نے، روما، نیپلز اور اٹلی کے دوسرے ممتاز اور خوبصورت شہروں کی سیر و سیاحت کی اور ۱۳ مئی کو پیرس پہنچے۔

حادثہ پیرس میں سالار جنگ کے قیام کے لیے گرانڈ ہوٹل کے بالاخانے پر انتظام کیا گیا تھا۔ جس دن پیرس پہنچے ہیں، اسی روز شام کا واقعہ ہے کہ وہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ یکایک پیر پھسل گیا اور ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ جس کے باعث دو ہفتے تک وہ کمرے سے باہر نکل نہ سکے۔ یہ زمانہ بڑی بے لطفی سے گزرا۔ ایک تو چوٹ کاری تھی اور بے حد درد تھا دوسرے دن بھر بستر پر پڑے پڑے وہ اکتا سے گئے تھے تاہم لوگوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ان حالات کے باوجود سر سالار جنگ کے ابرو میں شکن پڑی اور نہ طبیعت میں کسی قسم کا انتشار پیدا ہوا۔ ساتھیوں نے اپنے آقا کے ساتھ پورا حقِ وفاداری ادا کیا۔ دو ہفتے تک ۵۲ ساتھیوں میں سے ایک بھی سیر و تفریح کے لیے باہر نہ نکلا اور سب اپنے آقا کے شریکِ حال رہے۔ یہ محض سر سالار جنگ کے خلوص، محبت اور پدرانہ شفقت کا نتیجہ تھا۔

جب تک وہ پیرس میں رہے، روزانہ عجیب و غریب قسم کے

لطیفے ہوا کرتے تھے فرانسیسیوں اور انگریزوں کے خطوں کی بھرمار تھی۔ کوئی اپنی تباہ حالی اور پریشانی کا دکھڑا روتا۔ کوئی اپنی ایجادات اور مصنوعات کو سراہتا، کوئی ملاقات کے لیے وقت مانگتا، کوئی اس اتفاقی حادثے پر اپنی انتہائی ہمدردی کا اظہار کرتا اور کوئی ان کی شان میں طرح طرح کے قصیدے لکھ کر پیش کرتا۔ اگر ان سارے خطوط اور عرضیوں کو جمع کیا جاتا تو شاید ادب کا ایک نیا شعبہ نکل آتا!!

مئی کے آخر آخر میں مزاج ذرا سنبھل گیا اور پہلی جون کو پیرس سے نکل کر انگلستان پہنچے۔ فوک اسٹون پر ڈیوک آف سدرلینڈ نے ان کا پُر جوش استقبال کیا اور وہاں کے میئر بلدیہ نے ایک سپاس نامہ پیش کیا۔ برطانوی سرزمین میں سالار جنگ کی خدمات کا یہ پہلا اعتراف تھا۔ اس کے بعد دعوتوں، جلسوں اور سپاس ناموں کی وہ بھرمار۔ لندن کے اخباروں نے سر سالار جنگ کے ورود پر جی کھول کر افتتاحیہ مقالے لکھے اور ان کی مدح سرائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا چنانچہ لندن کے ایک مشہور اخبار نے لکھا۔

"ہمارا نیا مہمان وہ ذی مرتبت ہستی ہے جس نے اس وقت جب کہ دلی ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی اور ہماری حکومت پر بُرا وقت

آگیا تھا، جنوبی ہندوستان کو بچالیا۔ اگر جنوبی ہند بھی بغاوت پر آمادہ ہوجاتا تو ہم اس علاقے پر اور سارے ہندوستان پر قبضہ تو کرلیتے لیکن بے دریغ روپیہ صرف کرنے اور کافی جانی قربانی دینے کے بعد۔ مگر یہ سالار جنگ کا طفیل ہے کہ انھوں نے ہماری کثیر دولت اور اس سے بڑھ کر ہماری بے شمار جانیں بچائیں۔"

پاؤں کے درد کے باعث سالار جنگ کو لندن میں زیادہ چلنے پھرنے کا موقع نہ ملا۔ وہ زیادہ اپنی فرودگاہ ہی پر رہا کرتے تھے اور ملاقاتی وہاں آجایا کرتے۔ پرنس آف ویلز اور خاندان شاہی کے اکثر اراکین نے وہیں ان سے ملاقات کی ۲۰ر جون کو پرنس آف ویلز نے ان کے اعزاز میں ایک پُرتکلف عشائیہ ترتیب دیا جس میں تمام امراء، اکابر اور اعیانِ سلطنت اور قدیم ہندوستانی عہدہ دار مدعو تھے۔ اس دعوت کے دوسرے دن سالار جنگ جامعۂ آکسفورڈ گئے جہاں جامعہ کی طرف سے انھیں ڈی۔ سی۔ ال کی ڈگری عطا ہوئی۔ ۲ر جولائی کو مارکوئیس آف سالسبری نے قصرِ ونڈسر میں سالار جنگ کو ملکۂ وکٹوریہ کے دربار میں پیش کیا جہاں انھوں نے ملکۂ معظمہ اور خانوادۂ شاہی کے معزز ارکان کے ساتھ شام کا کھانا کھایا۔ یہ ایک بالکل

شخصی ضیافت تھی اور ایک رات اِن کو قصر ونڈسر ہی میں ٹھہرایا گیا۔ ۵ / جولائی کو سر سالار جنگ اور ان کے ہمراہیوں کو قصر بکنگھام میں حکومت کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اس کے بعد سالار جنگ نے پرنس آف ویلز کے اعزاز میں ایک عشائیہ ترتیب دیا۔ لندن سے رخصت ہونے سے قبل ایسٹ انڈیا اسوسی ایشن نے سالار جنگ کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا جس میں ان کی ان تمام خدمات کا ذکر کیا جو انھوں نے غدر کے زمانے میں انجام دی تھیں اور ساتھ ہی اس کے ان اصلاحات کا بھی تذکرہ کیا جو ریاست حیدرآباد میں وہ رائج کر رہے تھے۔

لندن کی مصروفیات سے فراغت پانے کے بعد سر سالار جنگ، ڈیوک آف سدرلینڈ کے ہمراہ ٹرنٹ ہام گئے اور کامل ایک ہفتے تک وہاں آرام لیا اس کے بعد اسکاٹ لینڈ کے کئی شہروں کی سیر کی۔ جہاں جہاں وہ گئے، ان کا شاندار استقبال کیا گیا، سپاس نامے پیش کیے گئے اور پرتکلف ضیافتیں ہوئیں۔

اس مختصر سی سیر و سیاحت کے بعد سالار جنگ ۲۲ / جولائی کو لندن واپس آئے۔ ۲۴ / کو کورٹ آف کامن کونسل کا خصوصی اجلاس ہوا اور اُن کو "شہر لندن کا

آزادی نامہ" فری ڈم آف دی سٹی آف لندن عطا کیا گیا اور میر بلدیہ نے ان کا جام صحت تجویز کرتے ہوئے ان کی وفادارانہ خدمات اور اعلیٰ شخصیت پر روشنی ڈالی۔

سالار جنگ کا یہ سفر نہایت کامیاب رہا اور انھوں نے ریاست حیدرآباد کے وقار کی پوری پوری نمائندگی کی۔ انگریز ہندوستانیوں کے متعلق طرح طرح کے پست خیالات رکھتے تھے لیکن جب وہ سالار جنگ سے ملے تو معلوم ہوا کہ ہندوستان کا درجہ تہذیب و معاشرت میں کسی دوسرے متمدن ملک سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح سالار جنگ نے نہ صرف حیدرآباد کی نمایندگی کی بلکہ سارے ہندوستان کی نمایندگی کی۔

اس طرح دو مہینے عزت و وقار کے ساتھ رہ کر سر سالار جنگ انگلستان سے پیرس واپس آئے اور ۳ اگسٹ کو وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں تورن اور میلان کی بھی سیر کی اور برنڈزی پہنچ کر ہندوستان کی راہ لی۔ راستے میں ایک عجیب دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ان کے جہاز کے بازو سے ایک انگریزی جہاز گزر رہا تھا۔ جب اس جہاز کے سپاہیوں اور ملاحوں کو یہ اطلاع ملی کہ بازو والے جہاز پر سر سالار جنگ سفر کر رہے ہیں تو سب کے سب عرشے پر جمع ہو گئے۔ اور "Three cheers for Salar Jang, the Saviour of India" کے نعرہ ہائے تحسین لگا کر سمندر کی موجوں میں ایک تلاطم پیدا کر دیا۔ یہ واقعہ سالار جنگ کی ہردل عزیزی پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔

سفر ختم کرنے کے بعد سالار جنگ ۲۶ اگسٹ کو حیدرآباد واپس آئے۔

مسئلہ برار

۱۷۲۴ء سے برار برائے نام حکومت آصفیہ کے قبضے میں تھا۔ روز بروز اس کی وسعت میں کمی بھی ہوتی جارہی تھی اور یہ علاقے پونا کے پیشواؤں کو بطور وظیفے کے دیئے جانے لگے تھے۔ حتیٰ کہ بعد میں چل کر انھیں حصول مالگزاری کے بھی اختیارات دے دیئے گئے تھے۔ ۱۸۰۴ء سے مملکتِ آصفیہ کا انفرادی اقتدار مسلم ہوچکا تھا اور بعض سیاسی تبدیلیوں کے باعث برار کی حیثیت ہی جدا ہوگئی تھی۔ ۱۸۵۳ء میں حیدر آباد کے ذمہ، انگریزی افواج کے اخراجات کے سلسلے میں کوئی ۴۵ لاکھ سے زیادہ کا قرضہ ہوگیا تھا۔ اس وقت لارڈ ڈلہوزی گورنر جنرل تھے۔ انھوں نے رزیڈنٹ حیدر آباد کو لکھا کہ وہ حضور نظام سے فوجی اخراجات کے لیے کوئی خالصہ دینے کی نسبت بات چیت کریں۔ اس سلسلے میں کافی مراسلت ہوئی اور پھر ایک معاہدہ مرتب ہوا جس کی رُو سے برطانوی حکومت ہند کو وہ علاقے دے دیے گئے جن کی مجموعی مالگزاری پچاس لاکھ

تھی۔ ان میں برار، رائچور، دوآب اور دھاراسیو شامل تھے۔ یہ معاہدہ نواب سراج الملک نے ۲۱؍ اپریل ۱۸۵۳ء کو کیا تھا۔

اس کے بعد جب سالار جنگ مدار المہام ہوئے تو انھوں نے اس واقعہ کو بُری طرح محسوس کیا اور ہر دم ان کی یہ خواہش رہی کہ کسی طرح برار حضور نظام کو واپس مل جائے۔ ۱۸۶۶ء سے سالار جنگ نے واپسئی برار کی کارروائی شروع کر دی۔ نواب افضل الدولہ بہادر کے رحلت فرمانے کے بعد جب اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خاں بہادر (غفران مکان) صغر سنی میں تخت نشین ہوئے تو سالار جنگ اور شمس الامراء نائبینِ حضور مقرر ہوئے۔ اس کے بعد سے واپسئی برار کی کارروائی زوروں پر چلنے لگی، چنانچہ سالار جنگ برار کی واپسی کے بڑے آرزومند تھے، شروع میں انھوں نے لارڈ نارتھ بروک کو خط لکھا تھا کہ

"یا تو مجھے برار واپس ملے یا مجھے اس کے واپس نہ ہوسکنے کی تشفی بخش وجوہات معلوم ہونے چاہییں — یا مجھے مرجانا چاہیے"

اس سلسلے میں بہت سی پیچیدگیاں واقع ہوئیں لیکن ان سے سالار جنگ کی ہمت نہیں ٹوٹی۔ واپسئی برار کے امکانات اس لیے بھی زیادہ تھے کہ حکومت ہند نے یہ یقین دلایا تھا کہ اگر فوجی اخراجات کی تکمیل کے لیے کوئی باقاعدہ ذریعۂ آمدنی

بتلایا جائے تو برار واپس ہوسکتا ہے۔ سالار جنگ نے اپنے جدید اصلاحات کے سلسلے میں بہت سے ایسے ذریعے تلاش کرلیے تھے چنانچہ ۱۸۶۲ء میں انھوں نے کہا کہ "ہم بارہ کروڑ روپیے حکومت ہند کے پاس امانت رکھواتے ہیں جس کا سود فوجی اخراجات کی تکمیل کے لیے کافی ہوگا" اس پر سرکار انگریزی نے معاہدات کی روشنی میں یہ بتلایا کہ شرط خالصے کی ہے اور سالار جنگ کو یہ فہمائش دی کہ اس معاملے میں مزید مراسلت کو ختم کردیں۔ اس پر نائبینِ حضور نے راست سکریٹری آف اسٹیٹ حکومتِ ہند کے پاس اپیل کی اور پھر خود جب وہ انگلستان گئے تو شخصی طور پر اپنے مطالبات انگریز سیاست دانوں کے آگے پیش کیے اور انھیں منوا آئے۔ لارڈ سالسبری نے بھی اسے تسلیم کیا اور وائسرائے کو لکھا کہ یہ معاملہ توجہ طلب ہے لیکن چونکہ اس وقت حضور نظام کی عمر کم ہے، اس لیے بعد میں اس کا تصفیہ کیا جائے گا۔ نائبینِ حضور نے بھی یہ بات تسلیم کرلی، لیکن بدقسمتی سے سالار جنگ کی آنکھوں کو وہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

اصلاحات

سالار جنگ کا سب سے بڑا کارنامہ ان کے ہر جہتی اصلاحات ہیں۔ ان کی تفصیل حیدرآباد کے گویا ایک تیس سالہ عہد کی مکمل تاریخ ہے جس وقت سالار جنگ دیوان ہوئے ہیں، ریاست کے ہر شعبے کی حالت بہت ہی گری ہوئی تھی۔ انھیں ایک نئی دنیا بسانی تھی جسے ان کے مضبوط دل و دماغ اور جذبۂ حب وطن نے بسا کر ہی چھوڑا۔

مالگزاری کی حالت سب سے زیادہ قابل رحم تھی۔ اتنی بڑی ریاست میں، فوجی اخراجات جانے کے بعد صرف اٹھارہ لاکھ کی بچت ہوتی تھی۔ اس کے دو وجوہ تھے۔ ایک تو مالگزاری کی وصولی گتّوں پر ہوتی تھی اور دوسرے اکثر ضلعے اور تعلقے عربوں کے پاس رہن تھے اور انھیں اختیار دے دیا گیا تھا کہ خود مالگزاری وصول کرلیں۔ اس لیے مالگزاری نہ کسی قاعدہ یا قانون کے تحت وصول کی جاتی تھی اور نہ اس کا کوئی باقاعدہ

حساب کتاب ہی تھا، اس لیے سالار جنگ نے سب سے پہلے اپنی توجہ مالگزاری کے اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ عربوں کے معاملات کی یکسوئی کے لیے ایک عدالت قائم کی گئی۔ شریر النفس عربوں کو سزائیں دی گئیں، بعضوں کو قید کر لیا اور بعض شہر بدر کر دیے گئے۔ حساب کتاب کے بعد حتی الوسع قرض خواہوں کا قرض ادا کر دیا گیا اور ۱۸۵۴ء میں کم و بیش سب رہن شدہ علاقے واپس لے لیے گئے اور آمدنی بڑھ کر چالیس لاکھ روپیے ہو گئی۔ پرانے زمانے کے تعلقہ داروں کو استعفاء کی فہمائش دی گئی اور ان کی جگہ دیانت دار اور سمجھ دار لوگ مامور کیے گئے۔

رقم کی وصولات کے لیے کوئی باقاعدہ خزانہ نہ تھا، اس لیے ۱۸۵۶ء میں سالار جنگ نے حیدر آباد میں ایک خزانہ کھولا جہاں مالگزاری کی ساری رقم جمع ہوتی تھی۔ انتظامی امور میں سہولت بہم پہنچانے کے لیے سالار جنگ نے ریاست کو چار حصّوں میں تقسیم کیا اور خود بھی ایک ضلع کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تاکہ دوسروں کے لیے نمونہ پیش کر سکیں۔

اس زمانے میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں بردہ فروشی عام ہو چلی تھی۔ ۱۸۵۶ء میں سالار جنگ نے اسے قانونی جرم قرار دیا اور اس کے مرتکب کے لیے

سخت سزا مقرر کی۔ اضلاع میں دن دھاڑے لوٹ مار اور غارت گری ہوتی تھی اور بعض وقت تو مسلح ڈاکو گاؤں کے گاؤں لوٹ ڈالتے تھے۔ سالار جنگ نے ان بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے فوج سے مدد لی اور بہت سی ٹولیوں اور ان کے سرغنوں کو گرفتار کر کے خوب سزائیں دیں۔ اس کام میں زیادہ تر روہیلے پیش پیش تھے اس لیے ان کے مقدمات کے تصفیے کے لیے ایک علٰحدہ عدالت قایم کی گئی جس سے اس ظلم و ستم کا بہت کچھ انسداد ہو گیا۔ سالار جنگ سے قبل گاؤں میں انتظامی امور کا تعلق صرف پولیس پٹیل سے تھا، لیکن حالات کے اعتبار سے یہ بہت ناکافی سمجھا گیا، اس لیے سالار جنگ نے ۱۸۶۵ء میں باقاعدہ طور پر ایک محکمۂ پولیس قائم کیا۔ اس کا ایک صدر ناظم بنایا، اس کے تحت مہتمم اور امنا مقرر کیے اور امناء کے تحت دفعدار، جمعدار اور جوانوں کی کافی تعداد مقرر کی گئی۔ شہر کے لیے ایک کوتوال مقرر کیا گیا۔ پھر پولیس کے قانون پر نظر ثانی ہوئی اور ضروری ترمیمات کے بعد اسے نافذ کیا گیا۔

۱۸۶۲ء تا ۱۸۶۶ء حیدر آباد میں زبردست قحط پڑا۔ اس موقع پر اگر سالار جنگ گہری دلچسپی نہ لیتے تو بہت سے غریب تباہ و برباد ہو جاتے

لیکن سالار جنگ نے اس آسمانی بلا کو ٹلانے کے لیے سرکاری طور پر غرباء کے خورو نوش کا انتظام کیا اور ادنیٰ ملازمین سرکار کی تنخواہوں میں حسبِ ضرورت اضافہ کیا۔ ۱۸۶۵ء میں ضلع بندی نظام جاری ہوا اور ریاست کو ۵ صوبوں اور ۷ ضلعوں میں تقسیم کیا گیا۔ عدالت، تعمیرات، طبابت اور تعلیمات کے شعبہ کی جدید تنظیم کی۔ تلنگانہ کے علاقوں میں یہ ہوتا تھا کہ لگان کے معاوضے میں غلّہ دینا پڑتا تھا، اس لیے کاشتکار فصل اچھی پیدا کرنے میں کوتاہی کرتے تھے۔ سالار جنگ نے بڑی عمدگی سے اس قانون کو توڑا۔

سالار جنگ سے پہلے ممالک محروسہ میں باقاعدہ عدالت قائم نہ تھی۔ انھوں نے دارالسلطنت میں ایک عدالت قائم کی۔ اس کا ایک میر مجلس بنایا۔ چار ارکان مقرر کیے اور انھیں پورا پورا دیوانی اور فوجداری اختیار دے دیا۔ اُس زمانے میں کاغذ مہور جاری ہوا اور رجسٹری کا محکمہ کھولا گیا۔ ۱۸۷۵ء میں صوبۂ بمبئی کے اصولوں پر بندوبست کا دفتر قائم کیا گیا۔

سالار جنگ تعلیمی معاملات میں شروع ہی سے دلچسپی لینے لگے حیدرآباد میں ہندوستان کے اور علاقوں کی طرح، تعلیم وہی پُرانے ڈگر پر دی جاتی تھی بچّوں سے قرآن پڑھوایا جاتا تھا اور عربی یا فارسی لکھائی اور

پڑھائی جاتی تھی۔ ۱۸۵۵ء میں سالار جنگ نے "اورینٹل کالج" قایم کیا جہاں انگریزی بطور اختیاری زبان کے پڑھائی جاتی تھی۔ چند سال بعد ہر تعلقہ کے بڑے موضع میں ایک ایک مدرسہ کھولا گیا اور ضلع کے مستقر پر ایک بڑا مدرسہ رکھا گیا۔ اس محکمہ کا ایک معتمد مقرر کیا اور ساتھ ہی ایک ناظم بھی۔ اس کے علاوہ ایک سیول انجینیرنگ کالج اور مڈیکل اسکول بھی کھولا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں ملک کے تعلیمی اخراجات ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہو گئے۔ ۱۸۸۰ء میں چادر گھاٹ (حیدر آباد) کا مدرسہ کالج کے معیار پر پہنچا دیا گیا اور اس کا تعلق جامعۂ مدراس سے کیا گیا۔ ریاست کے امراء کے بچوں کی تعلیم اور انھیں انگریزی زبان سے واقف کرانے کے لیے مدرسۂ عالیہ کا افتتاح کیا گیا جس نے بعد میں نظام کالج کی صورت اختیار کی۔ اساتذہ کی ٹریننگ کے لیے نارمل اسکول کھولا گیا اور اضلاع کے مدرسوں کے معائنے کے لیے پانچ صدر مہتممانِ تعلیمات مقرر کیے گئے۔

محکمۂ تعمیرات میں بھی بہت کچھ تنظیم عمل میں آئی۔ کئی تالاب درست کرائے گئے۔ سڑکیں بنائی گئیں اور اضلاع کے مابین ذرائع آمد و رفت مہیا کیے گئے۔ سرکاری طور پر دفاتر کے لیے عمارتیں بنوائی گئیں۔ ریلوے

میں بھی اضافہ ہوا۔ ۱۸۷۴ء میں حیدرآباد، واڑی۔ ریلوے پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اس طرح سے ممالک محروسہ، بمبئی اور مدراس کے درمیان راستہ کھل گیا۔
۱۸۶۲ء میں شہر اور اضلاع کے درمیان باقاعدہ ٹپہ رسانی کا کام شروع ہوگیا۔ ریاست میں کئی دارالضرب تھے اور سکہ سازی میں بڑا غبن ہوا کرتا تھا سالار جنگ نے سب سکے ضبط کرلیے اور ایک سرکاری دارالضرب کھول کر اس سے علحدہ سکے جاری کیے۔ آبکاری کی آمدنی میں بھی کافی اضافہ ہوگیا اور کروڑگیری کی آمدنی تو ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔ حیدرآباد، اورنگ آباد، رائچور اور گلبرگہ میں لوکل فنڈ کے دفاتر کھولے گئے جن کا کام سرکاری اور غیر سرکاری اراکین کے سپرد تھا۔ جس وقت سالار جنگ برسراقتدار آئے، فوج کے اخراجات ۸۰ لاکھ تھے لیکن ان کے انتقال کے وقت صرف ۲۰ لاکھ رہ گئے تھے۔

۱۸۶۲ء میں سالار جنگ نے ریاست کے نظم و نسق کا ایک آخری اور زبردست اسکیم بنایا تھا۔ یہ اسکیم اتنا جامع تھا کہ ان کے جانشینوں نے اس کو کامیاب بنانے کی ممکنہ کوشش کی۔ مدارالمہام کی امداد کے لیے چار معین المہام مقرر کیے گئے۔ ان کے اور ان کے معتمدین کے فرائض اور

اختیارات بہت بسوط طور پر مرتب کیے گئے۔ حکومت ہند نے اس اسکیم کا بغور مطالعہ کیا اور سر سالار جنگ کی فراست کی داد دی۔ سچ تو یہ ہے کہ سر سالار جنگ نے حیدر آباد کی تنظیم جدید میں اتنا درخشاں کام کیا ہے کہ انھیں حیدرآباد کی عمارت کا پُرخلوص معمار کہا جاسکتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ سالار جنگ نے ۳۰ سال کے عرصے میں اتنے سارے کام کس طرح انجام دیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت تیز فہم، دور رس، مستعد، مخلص اور دیانت دار انسان تھے۔ انھیں کام سے تھکن کی بجائے مسرت حاصل ہوتی تھی، اس لیے وہ دن رات کام میں مصروف رہتے تھے۔ ایک انگریز فوجی افسر نے ان کے روزمرہ کام کی تفصیل بڑی عمدگی سے لکھی ہے اس سے اندازہ ہوسکے گا کہ سالار جنگ نے اتنے سارے کام اتنے تھوڑے عرصے میں کس طرح انجام دیے۔

"وہ (سالار جنگ) صبح کے چھ بجے بیدار ہوتے ہیں، پھر حمام کرکے چار پیتے اور کام شروع کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے فیل خانے کے داروغہ رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد دربارِ عام ہوتا ہے، جس میں غریب سے غریب بھی آکر فریاد کرسکتا ہے۔ اسی دربار میں

مختلف جمعدار اپنی اپنی رپورٹیں پیش کرتے ہیں۔

"اس کے بعد مدار المہام بہادر اپنے خاص کمرے میں جاتے ہیں جہاں خزانے کے وصولات کے حسابات کی تنقیح ہوتی ہے۔ یہاں دارالانشأ کا منشی بھی منظوری اور دستخط کے لیے امسلہ جات لیے موجود ہوتا ہے اور جن مراسلوں کے جواب دیتے ہیں، ان کے متعلق احکامات حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد ناظم عدالت کی باریابی ہوتی ہے۔ اتنے میں ساڑھے دس بج جاتے ہیں اور سرسالارجنگ پندرہ منٹ تک ناشتے کے لیے اندر جاتے اور پھر باہر آتے ہیں۔ عرضی خانے کا منشی تیار رہتا ہے اور گزشتہ روز جتنی عرضیاں پیش ہوئی تھیں، ان کے خلاصے پیش کرکے احکامات حاصل کرتا ہے۔ اس کے بعد ساڑھے بارہ بجے تک مختلف قسم کے کام انجام پاتے ہیں۔ جیسے ملاقاتیوں سے ملنا وغیرہ ساڑھے بارہ بجے امراء، درباری اور کوتوال بلدہ باریاب ہوتے ہیں یہ کام ایک دربار کی صورت میں ہوتا ہے جس میں ضروری امور تصفیہ پاتے ہیں یہ سارا کام دس منٹ کے اندر ختم ہو جاتا ہے لیکن اگر ان میں کسی کو کچھ راز کی بات کہنی ہوتی ہے تو خاص کمرہ میں ملاقات کے لیے چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ڈیوڑھی سے

ہرکارے آکر رپورٹ دیتے ہیں۔ اسی وقت رزیڈنسی سے مراسلتی کاروبار طے پاتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی ضروری کارروائی نہ رہ گئی تو سالار جنگ آدھ گھنٹے تک آرام کرتے ہیں۔

اس اثناء میں دن کے دو بج جاتے ہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد دیوانی کے عہدہ دار جیسے دفتر دار اور ان کے متصدی، جمعدار، مختلف آوردولا کے سررشتہ دار، تعلقہ دار اور دوسرے متعلقہ لوگ آتے اور اپنے کاغذات پیش کرتے ہیں۔ ساہوکار بھی اسی وقت آتے ہیں اور انھیں باریابی کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد مختلف حسابات کی پڑتال کی جاتی ہے اور احکامات صادر کیے جاتے ہیں۔ رزیڈنٹ کے خطوط کا موصولہ ہوتا ہے حضور پُرنور کے وکیل بھی اس وقت آتے ہیں۔ اس کے بعد سالار جنگ ساڑھے پانچ یا چھ بجے باغ میں نکل آتے ہیں یا سواری کرتے ہیں یا گاڑی چلاتے ہیں یا کبھی آدھ گھنٹہ ٹہل لیتے ہیں۔ اس وقت سرکاری اور خانگی گھوڑے ملاحظہ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

بعد ازاں سالار جنگ اپنے خانگی کمرے میں چلے جاتے ہیں اور مغرب کی نماز پڑھ کر شام کے کھانے سے فراغت پانے کے بعد تعلقداروں

کے خطوط ملاحظہ کیے جاتے ہیں اور ان پر مناسب تجویزیں کی جاتی ہیں۔ مراسلوں پر دستخط ہوتے ہیں اضلاع کے حسابات کی پڑتال ہوتی ہے اور رزیڈنٹ کے موسومہ خطوط کے مسودوں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔ یہ سارا کام رات کے دس یا گیارہ بجے ختم ہوتا ہے اور سر سالار جنگ آرام کے لیے اندر چلے جاتے ہیں۔"

یہ سر سالار جنگ کی زندگی کا ایک دن تھا۔ جب سالار جنگ نے لگاتار تیس سال تک اس جانفشانی سے کام کیا ہو، تو وہ کیا نہیں کرسکتے تھے۔ یہی انہماکِ کار تھا جو انھوں نے حیدر آباد کی جدید تنظیم میں پوری پوری کامیابی حاصل کی

۱۸۷۱ء میں سالار جنگ کو ان کے کارہائے نمایاں کے صلے میں حکومت ہند کی طرف سے جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب عطا ہوا اور یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو دہلی میں امپیریل اسمبلی کے موقع پر شخصی اعزاز کے طور پر ۲۱ توپوں کی سلامی دی گئی۔ ۱۸۷۹ء میں نواب شمس الامراء بہادر کا انتقال ہوگیا اور ان کی جگہ نواب وقار الامراء مقرر ہوئے۔ دو سال بعد

ان کا بھی انتقال ہوگیا اور اب سالار جنگ حیدر آباد کے تنہا نائبِ حضور رہ گئے۔

۱۸۸۲ء میں سر سالار جنگ شملہ گئے تاکہ نظم و نسق کے سلسلے میں کچھ تبادلۂ خیال کریں اور آیندہ سال حضور پُرنور نواب میر محبوب علی خاں بہادر کو یورپ لے جائیں۔ سالار جنگ کا قیام وہاں صرف آٹھ روز رہا، لیکن اتنی مختصر سی مدت میں انھوں نے حکومتِ ہند کے اکابر کے دلوں میں اپنے لیے ایک خاص جگہ پیدا کرلی۔ ۱۸۸۳ء میں سالار جنگ نے حضرت غفران مکان کی ہمراہی میں رائچور، گلبرگہ اور اورنگ آباد کا دورہ کیا۔ واپسی پر یورپ جانے کی تیاریاں ہونے لگیں لیکن بدقسمتی سے ۸ ر فروری ۱۸۸۳ء کو وہ ہیضہ میں مبتلا ہوگئے اور دیکھتے دیکھتے اس دنیا سے چل بسے۔ اس سانحۂ عظیم پر سارے ہندوستان کے علاقوں سے تعزیتی خطوں اور تاروں کی بوچھار ہونے لگی اور اخباروں نے ماتمی مضامین لکھ کر صفحے کے صفحے سیاہ کردیے۔ ہزاکسلنسی لارڈ رپن نے ملکۂ معظمہ کی طرف سے تعزیتی تار روانہ کیا اور اس انتقالِ پُرملال کی خبر حکومتِ ہند کے ایک غیر معمولی جریدہ میں سیاہ حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی۔

"گورنر جنرل ان کونسل انتہائی احساسِ رنج و افسوس کے ساتھ، حیدرآباد کے مدار المہام اور نائب حضور، ہز اکسلنسی نواب سالار جنگ بہادر جی، سی، ایس، آئی کے انتقال کا اعلان کرتے ہیں، جو ۸ ہ ماہ حال کو ہوا۔ اس اندوہگیں واقعہ نے برطانوی حکومت کو ایک تجربہ کار اور روشن ضمیر دوست سے ہمیشہ کے لیے جدا کردیا، سرکار نظام کا ایک عقلمند اور جاں نثار خادم جاتا رہا اور ہندی سماج اپنے ایک ممتاز نمائندے سے محروم ہوگئی۔"

اس واقعۂ جاں کاہ کا رنج ہندوستانیوں، انگریزوں اور حیدرآباد دکن کے ہر طبقے کے لوگوں کو ہوا۔ وہ حیدرآباد کے سچے محبِ وطن تھے۔ انھوں نے حیدرآباد کو ایک ایسی زندگی بخشی کہ اس کا مستقبل شاندار ہوگیا اور وہ پروان چڑھنے لگا۔ حیدرآباد کے وزراء کی تاریخ میں ان کا نام ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے اور ان کے کارنامے ان کی اعلیٰ کارکردگی اور فراست کے ضامن ہیں۔

سر سالار جنگ کے انتقال پر ان کے بڑے لڑکے میر لایق علی خاں

سالار جنگ ثانی کو قلمدانِ وزارت ملا۔ انھوں نے ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۷ء تک وزارت کی۔ ان کے صاحبزادے نواب میر یوسف علی خاں سالار جنگ ثالث نے ہمارے موجودہ فرماں روا اعلیٰ حضرت ظلِ سبحانی کی تخت نشینی کے بعد ہی ۱۹۱۲ء میں اپنی آبائی خدمت پر مامور ہو کر اپنے اسلاف کی طرح نہایت دیانت، فراست اور جان نثاری کے ساتھ خدمت انجام دی۔

تمت